وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ (البقرہ:۱۹۶)

اور پورا کرو حج اور عمرہ اللہ کے واسطے

کی آسان اور مفید ترتیب

مصنف

حضرت ڈاکٹر فدا محمد مدظلہ (خیبر میڈیکل کالج پشاور)

خلیفۂ ارشد

حضرت مولانا محمد اشرف خان سلیمانی رحؒ

نام کتاب: حج کی آسان اور مفید ترتیب

مصنف: حضرت ڈاکٹر فدا محمد مدظلہ (خیبر میڈیکل کالج پشاور)

سال اشاعت: ۱۴۲۵ھ / ۲۰۰۴ء

بار :اوّل

تعداد: ۱۱۰۰

قیمت:15 روپے

ناشر: ادارہ اشرفیہ عزیزیہ پشاور

(saqi_pak@hotmail.com)

ملنے کا پتہ: مکان نمبر P-12 یونیورسٹی کیمپس (پشاور)

مکتبہ فاروقیہ، ہزارہ روڈ (حسن ابدال)

وحیدی کتب خانہ محلّہ جنگی (پشاور)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

پروفیسر ڈاکٹر انور صاحب ملنے تشریف لائے۔ باتوں باتوں میں تذکرہ آ گیا کہ ہائی کورٹ کے دو جج صاحبان حج کے لیے گئے تھے، واپسی پر کسی نے ان سے حج کے تأثرات پوچھے جس پر انھوں نے جواباً انتہائی مغلّظ طریقے سے کہا کہ بجائے حج کے اپنے ساتھ فلاں کام کرالیا ہوتا۔ اس پر بندہ کو بہت دکھ ہوا اور ایک تعبدی (عبادت والے) عمل کے بارے میں ایسی سطح کے لوگوں کا اس طرح کا بیان دینا دل کے مسخ ہونے کی اور شاید ایمان کے سلب ہونے کی علامت ہے۔ اتفاق سے اس سال ۱۴۲۴ھ بمطابق ۲۰۰۴ء بندہ کا حج پر جانا ہوا۔ گرد و پیش کا حال دیکھ کر حیرت ہوئی کہ بعضے ممالک کے لوگ تو فرض اور سنت پڑھتے ہی مسجد حرام اور مسجد نبوی سے باہر نکل جاتے ہیں اور ٹولیوں کی شکل میں بیٹھ کر مجلسیں گرم کر لیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ نہ دین کی تعلیم رکھتے ہوں اور نہ دنیا کی تعلیم تو انھوں نے سوائے فضولیات اور لایعنی کے اپنی مجالس میں اور کیا بحث کرنی ہے! گویا مسجد میں بیٹھ کر ذکر و فکر اور تلاوت وغیرہ کی کوئی عادت ہی نہیں۔ ان سب حالات کو دیکھ کر طبیعت غور کرنے کی طرف مائل ہوئی اور یہ بات ذہن میں آئی کہ دورانِ حج، مناسکِ حج کے مختصر اعمال اور پانچ فرض نمازوں کے علاوہ کوئی خاص اعمال مقرر نہیں ہیں۔ مناسکِ حج حضرت ابراھیم علیہ السّلام کے جن اعمال کی یادگار ہیں ان اعمال کے پیچھے جو جذبات، احساسات اور فکر ہے اس کی معلومات اور ان کی ادائیگی کے وقت اس کا دھیان نہ ہونا جدید سوچ والے ذہن کے لیے ان کے فوائد کو نہ سمجھنے کا ذریعہ

بنتا ہے۔ چنانچہ جس آدمی کی اپنی جگہ پر ذکر وعبادت اور دعا کی عادت نہ ہوئی ہو اس کا یہ وقت ضائع ہو جاتا ہے۔ حج کے بارے میں مسائل اور مناسک کی بہت بلند پایہ کتابیں موجود ہیں مثلاً حضرت مفتی شفیع صاحبؒ کی ''احکامِ حج'' اور حضرت رشید احمد گنگوہیؒ کی ''زبدۃ المناسک'' اور فضائل کے بارے میں حضرت شیخ مولانا زکریاؒ کی ''فضائلِ حج'' وغیرہ۔ کچھ خوش قسمتوں کو ان کے پڑھنے کی توفیق ہو جاتی ہے۔ بندہ کو ایک ایسی تحریر لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی جس میں حاجی کو ایک لائحہ عمل بنا کر دیا جائے اور اس سے اس بات کا مطالبہ کیا جائے کہ دورانِ حج اس لائحہ عمل سے گزر کر اور ان اعمال کی مشق کر کے اس نے اپنے آپ کو بنانا (reform کرنا) ہے، اور یہ سفر صرف سفر نہیں بلکہ اپنی تربیت کا ایک دورانیہ ہے جس کے ہر گھنٹے اور منٹ کو استعمال کرتے ہوئے اس سے فائدہ اٹھانا ہے۔

حج کے سلسلے میں علاوہ مناسک کے جن اعمال کا تذکرہ کیا گیا ہے ان میں سب سے پہلے ہم درج ذیل آیت کو لیتے ہیں،

فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ (البقرہ:۱۹۷)

ترجمہ: حج میں نہ کوئی فحش بات (جائز) ہے، نہ کوئی بے حکمی (درست) ہے نہ کسی قسم کا نزاع زیبا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں منفی اعمال کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ درحقیقت ہر چیز کے بارے میں جیسے مثبت باتوں کو حاصل کرنا ضروری ہوتا ہے ایسے ہی منفی چیزوں کا ترک بھی واجب ہوتا ہے، تب ہی اس کا پورا فائدہ ہوتا ہے۔ چنانچہ علاج کے ساتھ پرہیز مقرر ہے اور اگر پرہیز نہ ہو تو علاج فائدہ نہیں دیتا۔ اس آیت میں رفث، فسوق اور جدال تین لفظ

استعمال کیے گئے ہیں ۔ان میں سے فسوق کا لفظ ایسا ہے کہ جو اپنے معنی میں رفث اور جِدال دونوں کو لیے ہوئے ہے پھر بھی لفظ رَفَث اور جِدال کو علیحدہ کر کے بیان کیا گیا تا کہ ان کی اہمیت واضح ہو۔

لفظ ''رَفَث'' جنسی (sexual) رخ کی ساری کوتاہیوں کو شامل ہے جس میں آنکھ کا غیر محرم کو دیکھنا، کانوں کا ان کی آوازوں کو مزے کے لیے سننا، ناک کا ان کی خوشبوؤں سے لطف اندوز ہونا، زبان کا جنسی چسکوں کی باتوں کا تذکرہ کرنا، ہاتھ پیر یا جسم کے کسی دوسرے حصے کا جذباتِ شہوانیہ سے عورتوں کو چھو لینا اور دل کا ان کی طرف اشتہا کرنا، اس سے آگے بڑھ کر جنسی (sexual) رخ کے سارے عملی اقدامات شامل ہیں۔ حج میں ساری دنیا کا مالدار طبقہ جمع ہوتا ہے گویا پوری دنیا کا حسن و جمال یہاں جمع ہو جاتا ہے۔ حج کے دوران پورا وقت اس بات کی مشق کرنی ہوتی ہے کہ مندرجہ بالا کسی بات میں حاجی ملوث نہ ہونے پائے۔ اپنے باطن پر نگاہ رکھنی چاہیے، اگر طبیعت ان باتوں کی طرف مائل ہو رہی ہو تو حاجی کو سمجھ لینا چاہیے کہ باطن کتنا کمزور ہے اور اصلاح کی کس قدر ضرورت ہے۔ اپنی اس کمی کا غم ہو اور اصلاح کی فکر ہو۔ پورے حج میں نفس پر جبر کر کر کے اپنے آپ کو ان ساری باتوں سے روکا جائے۔ کاملین مشائخ کو ڈھونڈ کر ان کے پاس بیٹھا جائے تا کہ باطن کی ظلمت چھٹے اور باطن میں نور داخل ہو اور نفس کے یہ منفی جذبات بدلیں۔ اگر اس سے جذباتِ شہوانیہ پر قابو نہ ہو تو مرغن و مقوّی غذا (گوشت انڈا وغیرہ) سے پرہیز کر کے نیز کثرت سے روزے رکھ کر شہوت کو توڑا جائے، تا کہ ان ایام میں باطن میں سکون رہے اور ''رفث'' کی ساری صورتوں سے بچنے کے حالات ہوں۔ جوں ہی آنکھ غیر محرم پر پڑے فوراً جھکا دے۔ غیر محرم کی جو تصویر قلب پر

آئی ہو متبادل خیال میں مصروف ہو کر اس کو قلب سے دھویا جائے۔ اگر حال سدھر نہ رہا ہو تو مشائخ کاملین کو ڈھونڈ کر اور اپنا حال عرض کر کے اس کو درست کرنے کا مشورہ لیا جائے۔

دوسری بات ''وَلَا فُسُوقَ'' ہے اس میں سارے گناہ داخل ہیں۔ ظاہر ہے کہ گناہ تو ہر وقت کرنا ناجائز ہے لیکن خاص خاص مقامات پر گناہ کرنا ان کی شدت کو اور زیادہ کر دیتا ہے۔ اس لیے دورانِ حج اور خاص طور سے دورانِ احرام تمام گناہوں سے سختی سے بچا جائے۔ نفس کی یہ عادت ہے کہ اگر اسے دلاسہ دے کر اس بات پر راضی کر لیا جائے کہ یہ پابندی تھوڑے وقت کے لیے ہے تو برداشت کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر جیسے حکومتی اداروں کی طرف سے ہفتہ صفائی، ہفتہ خوش اخلاقی وغیرہ منائے جاتے ہیں، اس میں سارا عملہ کوشش کرتا ہے کہ ایک ہفتے تک اپنے آپ کو ان چیزوں کا پابند کرے۔ نفس کی یہ خصوصیت ہے کہ کچھ دن کسی چیز کی پابندی کر لے تو اس کی عادت بن کر اس کے لیے وہ چیز آسان ہو جاتی ہے۔ اس لیے حج کا پورا دورانیہ مسلسل اس مشق میں گزارنا ہوتا ہے کہ اس دوران کوئی صغیرہ و کبیرہ گناہ سرزد نہ ہو۔ اس پابندی سے حج بھی حج مبرور بنتا ہے اور آئندہ کے لیے نفس بھی مطیع اور منقاد (ماننے والا) ہو جاتا ہے۔

تیسری بات ''وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ'' ہے یعنی حج میں لڑائی جھگڑا نہیں ہے۔ حاجی ساری دنیا سے انتہائی لمبے سفر کر کے پہنچتے ہیں جس کی وجہ سے بہت زیادہ تھکے ماندے ہوتے ہیں۔ جدہ پہنچ کر کسٹم اور امیگریشن کے عملے کی طویل چیکنگ سے گزرنے کی وجہ سے مزاج انتہائی چڑچڑا ہو جاتا ہے۔ ہر آدمی کی اپنے علاقے میں ایک حیثیت

ہوتی ہے لیکن حج کے لیے پہنچ کر ساری حیثیتوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے، علاقے کی ساری قدر و منزلت وہیں رہ جاتی ہے۔ انتہائی رَش کی وجہ سے ٹھوکر لگ جانا، پاؤں پر پاؤں آ جانا، کسی دوسرے کا آگے بڑھ جانا وغیرہ ساری باتیں جھگڑے پر اُبھارتی ہیں۔ حضرات کاملین تو جب ایسے حالات میں اپنے نفس میں جھگڑا اور جدال کی کیفیت محسوس کرتے ہیں تو ان کو اپنی کمی کا شدت سے احساس ہوتا ہے، اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اپنے نفس کی کمی اور نقص پر آگاہی ہوئی۔ ان کو اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ اپنے علاقوں میں جس خوش اخلاقی اور نرمی کا مظاہرہ ہم کرتے تھے وہ تو اس وجہ سے تھا کہ گرد و پیش کے سارے لوگ اکرام اور احترام کا رویہ رکھتے تھے لہٰذا اپنی طرف سے بھی ان کے ساتھ خوش اخلاقی اور نرمی کا رویہ ہوتا تھا۔ خوش اخلاقی اور نرمی تو تب معلوم ہو جب ایسے سخت حالات میں بھی اس پر قائم رہیں کیونکہ اللہ کی رضا کے لیے تو ان باتوں کا برتنا اس اجنبی ماحول میں ہی ہو سکتا ہے جبکہ اس پر کوئی واہ واہ ہونے اور معاوضہ ملنے کی امید نہ ہو۔ اس لیے اس پورے سفر میں اپنے نفس کی شدت کے ساتھ نگرانی کرنی ہے اور اس کو زبانی و عملی جدال سے روکنا ہے۔

ان منفی باتوں کے بیان کے بعد مثبت اعمال کی طرف آتے ہیں۔

پہلی بات پورے حج کے سفر کو کثرت ذکر کے ساتھ آباد رکھنا۔ ذکر ایسا عمل ہے کہ قرآن و حدیث میں سب سے زیادہ اس کے فضائل آئے ہیں۔ ہر حال میں ذکر کرنے کی تاکید آئی ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا

اَلَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ (آل عمران: ۱۹۱)

ترجمہ: وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی یاد کرتے ہیں کھڑے بھی بیٹھے بھی لیٹے بھی۔

دراصل انسان کی یہی تین حالتیں ہیں۔تو اس سے مراد ہر حال میں ذکر کرنا ہے۔ نیز

يَآاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوااذْكُرُ اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ○ (احزاب:۴۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اللہ کو خوب کثرت سے یاد کرو۔

فرما کر ذکر کی کثرت کی تاکید کی گئی ہے، باوضو بے وضوحتیٰ کہ ناپاک حالت میں بھی (درود شریف، استغفار، اور قرآن کی دعاؤں کا دعا کی نیت سے) ذکر کیا جا سکتا ہے۔ ہر عبادت کی کوئی حد اور تعداد مقرر فرمائی گئی ہے لیکن ذکر کی کوئی حد مقرر نہیں کی گئی ۔ذکر سے دل میں وہ روشنی اور نور پیدا ہوتا ہے جس سے سارے اعمال میں رونق پیدا ہو جاتی ہے، یہ سارے اعمال کی جان ہے اس کے بغیر باطن کی صفائی، باطن کا نور اور اخلاص کا حصول مشکل ہیں۔ حدودِ حرم میں ایک نیکی کا بدلہ ایک لاکھ نیکی ہے گویا آدمی ایک سونے اور ہیرے کی کان میں پہنچا ہوا ہے اور کھود کھود کر نکالنے کا محدود وقت ہے، جس کا ایک منٹ بھی ضائع ہونے سے عظیم نقصان اور خسران ہے۔ چنانچہ زبان کو تو ہر وقت ذکر میں ہلتے ہی رہنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

فَاِذَآاَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوااللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰكُمْ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ○ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوااللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوااللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ط (البقرہ:۱۹۸،۱۹۹،۲۰۰)

ترجمہ:'' پھر جب طواف کے لیے لوٹو عرفات سے تو یاد کرو اللہ کو نزدیک مشعر الحرام کے اور اُس کو یاد کرو جس طرح تم کو سکھلایا اور بیشک تم تھے اس سے پہلے

ناواقف، پھر طواف کے لیے پھرو جہاں سے سب لوگ پھریں، اور مغفرت چاہو اللہ سے بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے مہربان۔ پھر جب پورے کر چکو اپنے حج کے کام کو تو یاد کرو اللہ کو جیسے تم یاد کرتے تھے اپنے باپ دادوں کو بلکہ اس سے بھی زیادہ یاد کرو۔''

دوسری بات کثرتِ نوافل ہے۔ تہجد، اشراق، چاشت، اوّابین، تحیۃ الوضو، تحیۃ المسجد، عصر وعشاء کی چار چار غیر مؤکدہ سنتیں، صلوٰۃ التسبیح وغیرہ سب رحمت اور ثواب کے لحاظ سے لوٹ مار کے خزانے ہیں، اس سفر میں خوب لوٹ مار کرلیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ بیت اللہ شریف پر ہر وقت ایک سوبیس رحمتیں نازل ہوتی رہتی ہیں، جن میں سے ساٹھ رحمتیں طواف کرنے والوں پر اور چالیس وہاں نماز پڑھنے والوں پر نازل ہوتی ہیں، بیس رحمتیں بیت اللہ شریف کو دیکھنے والوں پر نازل ہوتی ہیں اس لیے ذکر اذکار کرتے ہوئے بیت اللہ شریف کو دیکھ دیکھ کر ان بیس رحمتوں سے استفادے کی نیت بھی ہونی چاہئے۔

تیسری بات کثرتِ تلاوت ہے۔ دورانِ نماز حالت قیام میں تلاوت کے ایک ایک حرف کا ثواب ایک سو نیکی ہے۔ بیٹھ کر نماز میں پچاس نیکی ہے، باوضو پڑھنے سے پچیس نیکی ہے اور بے وضو زبانی پڑھنے کی دس نیکیاں ہیں۔ جبکہ حرم شریف میں ایک نیکی کا بدلہ ایک لاکھ نیکی کے برابر ہے اس لیے اس سفر میں کثرتِ تلاوت کی انتھک کوشش کرنی چاہئے۔

چوتھی بات کثرتِ دعا ہے۔ حجاج اور مجاہدین کو اللہ تعالیٰ کا وفد ہونے کا اعزاز دیا گیا ہے اور یہ بشارت دی گئی ہے کہ وہ جو کچھ اللہ تعالیٰ سے مانگتے ہیں عطا کیا جاتا ہے، مزید یہ کہ مقدس مقامات کو قبولیتِ دعا کے ساتھ خاص مناسبت ہے چنانچہ پوری مسجد نبوی

، اس کے استوانے ، محراب ومنبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مواجہہ شریف قبولیت دعا کے خاص مقامات ہیں ۔ مکہ مکرمہ میں مطاف ، مقامِ ابراھیم ، زمزم کا کنواں ، صفا ومروہ کی پہاڑیاں ، سعی کی جگہ ، حطیم ، میزاب رحمت ، ملتزم اور بیت اللہ شریف پر پہلی نظر پڑنے کے وقت نیز منیٰ ، مزدلفہ ، عرفات ساری جگہیں دعا کی قبولیت کے مقامات ہیں ۔ اپنے لیے اپنے خاندان اور دوستوں کے لیے اور ساری امت کے لیے خوب دل لگا کر دعا مانگنی چاہیئے اور کچھ اوقات کو لمبی دعا مانگنے کے لیے فارغ رکھنا چاہیئے ۔ دعا کو مُخُّ الْعِبَادَةِ یعنی عبادت کا مغز کہا گیا ہے ۔ دعا کے دوران مکمل اور مسلسل دھیانِ الٰہی طاری رہتا ہے ، اپنے فقر اور عاجزی کا احساس ہوتا ہے ۔ جب دعا کے ذریعے مسئلے حل ہوں تو اللہ تعالیٰ کی ذاتِ ذوالجلال کے ساتھ وابستگی حاصل ہوتی ہے اور اعتمادِ کامل نصیب ہوتا ہے ۔ چنانچہ دعا محض اپنے مسائل کے حل کرنے کا ذریعہ نہیں بلکہ اللہ کے قرب اور معرفت کا دروازہ ہے ، مبارک ہیں وہ لوگ جو اس سفر میں دعاؤں کا خاص اہتمام کرتے ہیں ۔

پانچویں بات مراقبہ ہے ۔ جو لوگ تصوف کے تربیتی نظام سے گزرے ہوئے ہیں ان کی تو مراقبہ کی خاص تربیت ہوئی ہوتی ہے ۔ عامی آدمی کو یوں سمجھ لینا چاہیئے کہ مراقبہ دھیان جمانے کو کہتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ کی صفات اور آخرت کے احوال کا دھیان جمانا تو ہر کوئی کرسکتا ہے ۔ یہ دھیان جما کے بیٹھنا کہ اللہ تعالیٰ حاضر ہے ، ہمیں دیکھ رہا ہے ، ہمارے ساتھ ہے ، مراقبہ کہلاتا ہے ۔ پانچ دس منٹ ، پندرہ منٹ آدھا گھنٹہ اس کی مشق کر کے آدمی دیکھے تو عجیب حالات محسوس ہوں گے ۔ یہ چیز باطن کی صفائی اور یقین کی پختگی میں خاص کردار ادا کرتی ہے ۔

چھٹی بات خدمت خلق ہے ۔ حج میں خدمت خلق کے بہت وسیع مواقع ہوتے

ہیں ۔ بیمار حاجیوں کی تیمارداری ، ان کو ہسپتال تک لے جانا ، بھولے بھٹکے حاجیوں کو جگہ تک پہنچانا ، جن کے پاسپورٹ ٹکٹ وغیرہ گم ہوگئے ہوں ان کی مدد کرنا ۔ کمزوروں اور ضعفاء کی سواری پر چڑھتے اترتے مدد کرنا ، چلتے پھرتے ان کو سہارا دینا ، اس کے سنہری مواقع ہاتھ آتے ہیں ۔ آدمی نوافل اور طواف کی مشقتوں سے تھکا ماندہ نکلتا ہے اور دل چاہتا ہے کہ اپنی جگہ پر پہنچتے ہی چارپائی پر گر جائے اتنے میں سامنے سے کوئی بوڑھا مرد یا عورت آجاتی ہے اور فریاد کرتے ہیں کہ ہم سے اپنی جگہ گم ہوگئی ہے ، اب اپنی تھکاوٹ اور آرام کو قربان کر کے ان کو جگہ تک پہنچانا نفس کو بہت گراں گزرتا ہے لیکن جو آدمی نفس کی خواہش کو کچل کر اس بات کو کر گزرتا ہے وہ کندن بنتا ہے اور اس کے لیے قرب الٰہی اور ولایت کے دروازے کھلتے ہیں ۔

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انساں کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

دراصل ہم لوگ حج میں بھی افسری ، نوابی اور چودھراہٹ کے مزے لینا چاہتے ہیں اور اس بات کی ہماری قطعاً نیت نہیں ہوتی کہ میں گُوں اور غلاظت سے بھری ہوئی بوری اور بدبو اور تعفن کا لاشہ بھی تو آخر کبھی دوسروں کو سکھ پہنچانے کا سوچ لوں ۔ صرف یہی بات ذہن میں نہ رکھے رکھوں کہ باقی لوگ ہی میرے آگے پیچھے ہوتے رہیں ۔ ہائے افسوس جب تک اپنے آپ کو مٹائے گا نہیں تیرا حج کس کام کا ۔

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے
کہ دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے

حافظا ! گر بت شکستی خوش مباش

خود پرستی کم تر از اصنام نیست

ترجمہ: اے حافظ اگر تو نے بت توڑ دیا ہے تو اس پر خوش مت ہو کیونکہ خود پرستی بتوں سے کم نہیں ہے۔

اس کے بعد حج کے پانچ ایّام کی طرف آتے ہیں جن میں مناسکِ حج ادا کیے جاتے ہیں۔ ایک تو اِن مناسک کی ظاہری صورت ہے اور ایک ان کی ابتداء اور تاریخ ہے، اور اس کی وجہ سے ان مناسک کے ساتھ خاص سوچ اور جذبات و احساسات متعلق ہیں۔ اگر مناسکِ حج کی ادائیگی پوری توجہ اور احساسات کے ساتھ ہو تو حج کے ظاہری، باطنی اور روحانی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

۸ ذی الحج کو حاجی منیٰ کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔ آٹھ تاریخ کا پورا دن منیٰ میں گزرتا ہے۔ اس کے بعد ۱۰، ۱۱، ۱۲ تاریخ کے ایّام بھی منیٰ میں گزارے جاتے ہیں۔ اس عمل کے پیچھے حضرت ابراھیم علیہ السلام کی عظیم قربانی کی یادگار ہے، جب کہ حضرت خلیل اللہ نے اپنے جذبۂ محبت کی وہ مشکل صورت جو اولاد کے ساتھ ہوتی ہے اللہ کے حکم پر ذبح کر دی، اور ذبح بھی اپنے ہاتھ سے کیا۔ گو اللہ تعالیٰ کے امر سے وہ ذبیحہ بچے کے بچ جانے اور دنبہ کے ذبح ہونے کی صورت میں ظاہر ہوا لیکن ذبح کرنے والے نے تو آنکھیں بند کیے ہوئے گویا ایک گردن پر چھری چلا ہی لی۔ اللہ تعالیٰ بھی اس جذبۂ محبت کو قربان کروانا چاہتے تھے بچے کو قربان نہیں کروانا تھا۔ تو منیٰ کے اس مقام کے ساتھ اس ذبحِ عظیم کی یادیں وابستہ ہیں۔ یہاں کے قیام کے دوران ان جذبات و احساسات اور سوچ کو تازہ کرنے کی ضرورت ہے۔

جس جگہ کوئی خاص عمل ہوا ہو، اچھا یا برا، وہ زمین اور وہ فضاء اس عمل کے

رحمت یا زحمت کے اثرات کو اپنے اندر جذب کیے ہوئے ہوتی ہے۔ یہ اثرات وہاں سے تھوڑی دیر کے لیے گزرنے والے پر بھی آتے ہیں، چنانچہ غزوۂ تبوک کے سفر میں قومِ عاد و ثمود کی بستیوں سے گزرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جلدی سے گزرنے کا حکم فرمایا تاکہ اس نحوست کی فضاء کا کم سے کم اثر آئے۔

پرانے واقعات میں ہے کہ ایک دفعہ شاہ ابوالمعالیؒ شاہ دولہؒ سے ملنے کے لیے گجرات تشریف لے گئے تو انھیں معلوم ہوا کہ حضرت لاہور کے پاس رائے پنڈ نامی ایک بستی میں تشریف لے گئے ہیں۔ وہاں پہنچنے پر پتہ چلا کہ وہ ایک بیابان سی جگہ پر مراقب ہیں۔ ملاقات پر انھوں نے فرمایا کہ اس جگہ عجیب وغریب انوارات کا نزول ہو رہا ہے جن سے فیضیاب ہونے کے لیے میں یہاں آیا ہوں۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں آجکل رائیونڈ کا تبلیغی مرکز ہے، تو اس جگہ ایک عمل کے وجود میں آنے سے صدیوں پہلے اِدراک والی شخصیّت کو انوارات محسوس ہو رہے تھے۔ (روایت حضرت مولانا ظاہر شاہ صاحب)

حضرت سید احمد شہیدؒ ایک ایسی جگہ سے گزر رہے تھے جہاں سارے قصبے کا کوڑا کرکٹ پھینکا گیا تھا آپؒ نے فرمایا کہ اس جگہ سے علم کی خوشبوئیں آرہی ہیں۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں تقریباً پچاس سال بعد دارالعلوم دیوبند بنا۔ تو ایسی جگہوں پر انوارات کی بارش ہوتی رہتی ہے جو ادراک والوں کو محسوس بھی ہوتی ہے، قلب کا فیضیاب ہونا اور روح کا روحانی عروج حاصل کرنا وہ محسوس کرتے ہیں۔ ہماری طرح لوگ جو محسوس نہ بھی کرتے ہوں، بہرحال قلبی فیوض اور روحانی عروج ان کو بھی ہوتا ہے، صرف طلب، قدر، دل کی حاضری اور دھیان کی ضرورت ہوتی ہے۔

منیٰ میں جو بڑا عمل ہے وہ رمی جمرات یعنی شیطانوں کو کنکریاں مارنا ہے۔

شیطان کوئی نفسیاتی خیال یا روحانی کشمکش کا نام نہیں ہے بلکہ ایک معین مخلوق کا نام ہے جو اپنی ابلیسی قوت کے ذریعے ہر حق بات اور نیکی کی مخالفت کرتا ہے اور جیسے آجکل ہپناٹزم، مسمریزم اور ٹیلی پیتھی کی قوتیں ایک منظّم سائنس بن چکی ہیں ایسی ہی قوت سے وہ منفی خیالات کو دل میں ڈال کر مثبت خیالات کو توڑنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ کشمکش باطن میں اس حدتک جاتی ہے کہ جیسے ظاہری دشمنیوں میں ایسے حالات ہو جائیں کہ جس کے نتیجے میں غصے اور جذبات میں آکر دشمن پر وار کرنا پڑے اور اسے بھگانا پڑے۔ یہ وہ جذبات ہیں جو عام آدمی بھی اپنے نفع نقصان کے کاموں میں اپنے مخالفین کے لیے محسوس کرتا ہے۔تو کنکریاں مارتے ہوئے یہ ہمت اور جذبہ ہو کہ باطل خیالات سے ٹکرا کر اور انھیں روند کر اور پاش پاش کر کے حق کی طرف بڑھنا ہے۔

منیٰ کے بعد حاجی میدانِ عرفات جاتے ہیں۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں چالیس سال گریہ وزاری کے بعد حضرت آدم علیہ السلام اور حوا علیھا السلام اکٹھے ہوئے اور ان کی معافی کا اعلان ہوا۔ یہاں حاجی کو یوں محسوس کرنا ہوتا ہے جیسے کوئی ایسا مجرم جس نے انتہائی مہربان خیر خواہ اور محسن کے بار بار احسان کے باوجود اس کی نافرمانیاں کی ہوتی ہیں اور محسن بھی ایسا جو انتہائی قوت اور قدرت والا ہو اور چاہے تو آنِ واحد میں انتقام لے لے اور ایسا پیارا اور ایسے حسن و جمال، فضل وکمال، عطا ونوال اور عظمت وجلال والا کہ گویا اس سے لپٹ ہی لیا جائے اور اس کے قدموں میں سر رکھ دیا جائے۔ یہ جگہ گویا ان جذبات کے ساتھ حاضری کی جگہ ہے۔ اللہ والوں کی تو یہاں چیخیں نکل جاتی ہیں اور دل وجگر ٹکڑے ہو کر گویا زمینِ عرفات میں بکھر جاتے ہیں، اور ایسے چمٹ کر مانگتے ہیں کہ گناہوں کی معافی کے ساتھ اپنے لیے اور سب کے لیے مانگ مانگ کر رحمت سے

جھولیاں بھر لیتے ہیں۔

مزدلفہ کی شب وہ شب ہے کہ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی امت کے ظالموں کے بارے میں بھی دعا قبول ہوئی جو کہ عرفات میں قبول نہیں ہوئی تھی۔ لہٰذا اس رات کی قیمت اور برکت کا کوئی اندازہ ہی نہیں۔ دعا کے ذریعے ہیرے سونے کی کان ہے، جتنا کھودے جاؤ دامن بھرتے جاؤ۔ یا مرضی ہے تو نیند میں اور فضول بحثوں میں ضائع کر دو۔

صفا اور مروہ کے درمیان سعی، ماں کی ممتا کے ان بیقراری کے جذبات کو لیے ہوئے ہے جو ان پر جان بلب پیاسے بچے کو دیکھ کر طاری ہوئے اور ان پر یہ بپتا اور آزمائش اس وجہ سے آئی کہ انھیں حضرت ابراھیم علیہ السلام اس علاقے میں ایک عالمی و ابدی دینی مرکز کی آبادی کے لیے تن تنہا بے آب و دانہ چھوڑ کر چلے گئے اور یہ چھوڑنا انھیں اللہ تعالی کے غیبی نظامِ ربوبیت سے پلنے کے تجربہ سے گزارنے کے لیے تھا، چنانچہ حضرت ہاجرہ علیھا السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے حالات آج تک کے لیے اور قیامت تک کے لیے اللہ تعالیٰ کے غیبی نظام پرورش کے سمجھنے اور سیکھنے کے لیے مثال ہیں۔ سعی کے دوران ان احساسات و جذبات کو طاری کرنا ہوتا ہے۔

طوافِ بیت اللہ تو گویا محبوب کے ارد گرد پروانہ وار گھومنے کا ایک مجازی منظر ہے

کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں میری جبینِ نیاز میں
نہ کہیں جہاں میں اماں ملی ، جو اماں ملی تو کہاں ملی

مرے جرم خانہ خراب کو ترے عفو بندہ نواز میں

حجرِ اسود کو اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ کہا گیا ہے۔ گویا جس نے اس کو چوما اس نے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کو چوما۔ حجرِ اسود کے بوسے کے وقت اللہ تعالیٰ کے داہنے ہاتھ کا تصور اور اس بات کا تصور کہ یہ وہ پتھر ہے جس پر حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک انبیاء علیھم الصلوٰۃ السلام کے ہونٹ لگتے رہے، انسان پر ایک زبردست ربُودگی (ہوش وحواس اڑ جانا) کی کیفیت طاری کرتا ہے۔ ملتزم کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ جس نے ملتزم پر چمٹ کر غلافِ کعبہ کو پکڑا اس نے گویا اللہ تعالیٰ کے دامن کو پکڑ لیا۔ سبحان اللہ! دامنِ رحمت اور اس گنہگار کے ہاتھ میں ؎

دل کو تھاما ان کا دامن تھام کے

ہاتھ نکلے دونوں اپنے کام کے

اس منظر پر تو بندہ نے اہل اللہ اور فقراء کو چیختے بلبلاتے اور آنسو بہاتے دیکھا ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں مانگی ہوئی دعا رد نہیں ہوتی۔ سبحان اللہ! یہ دولتیں اور یہ غفلت اور یہ ناقدری۔ واقعی جب یہ باتیں سامنے نہ ہوں تو حج نرا ایک بوجھ ہی محسوس ہوگا اور جب غفلت وناقدری سے ایسے ہی وقت کوٹرخا دیا جائے تو حجِ مبرور کب ہوا۔ اور جب حجِ مبرور نہ ہوا تو اس پر برکتیں، نعمتیں اور مسائل کا حل کیسے حاصل ہو۔

اب احکاماتِ حج کے بارے میں کچھ معروضات پیش کرنی ہیں۔ اس موضوع پر شروع دور سے ہی کتابیں لکھنے کا رواج رہا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ حالات بدلتے رہے ہیں۔ پرانی کتابیں تو آجکل کی مشکلات کو سامنے رکھ کر لکھی ہی نہیں گئیں مزید یہ کہ کتابوں میں مستحب ترتیب کو سامنے رکھ کر مناسک اور اعمال کو بیان کیا گیا ہے جبکہ آجکل

کے مشکل حالات ، انسانوں کا بے پناہ ہجوم ، گاڑیوں کی بھرمار ، انسانوں کے قویٰ کی کمزوری اور مزاج میں صبر و برداشت کا فقدان ، دینی انحطاط کی وجہ سے کسی کا خیال نہ رکھنا ، مناسک کو پورا کرنے کی ترتیب میں اتنی مشکلات کا سامنے آجانا جس سے جان جانے کا حرج ہو ایسی باتیں ہیں جن کے ہوتے ہوئے فرائض و واجبات کی ادائیگی مشکل بلکہ فوت ہونے کے حالات ہو جاتے ہیں چہ جائیکہ مستحبات کو پورا کیا جائے ۔ مستحبات کو پورا کرنے کی کوشش میں حاجی اپنے لیے اور دوسرے حاجیوں کے لیے انتہائی مشکلات پیدا کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے مستحبات کا ثواب لینے کے لیے انسانوں کو شدید تکلیف پہنچانے کا جرم کر کے حرام میں مبتلاء ہو جاتے ہیں اس لیے بندہ کو اس بات پر غور کرنا پڑا کہ گزشتہ سالہا سال کے اپنے تجربہ اور اپنے کثرت سے حج کرنے والے ساتھیوں کے تجربے کی روشنی میں ایسے مشورے بہم پہنچائے جائیں جن کی روشنی میں مناسک کے فرائض و واجبات فوت ہونے سے بچ جائیں اور اپنی جان اور دوسرے افراد کے شدید حرج میں مبتلاء ہونے سے حفاظت ہو جائے ۔

سب سے پہلا مشورہ اس کوتاہی کے بارے میں ہے کہ عام طور پر فریضۂ حج کے بارے میں یہ سوچا جاتا ہے کہ زندگی کے آخری ایام میں ادا کریں گے حالانکہ بلوغ ، عقل ، اسلام ، صحت ، مالی استطاعت اور راستے کا امن ، یہ شرائط اگر موجود ہوں تو بلا وجہ تاخیر انتہائی محرومی اور کم نصیبی کی بات ہے ۔ بڑھاپے میں جانے والے افراد اپنے لیے اور دوسروں کے لیے پریشانی کا ذریعہ بنتے ہیں اس لیے فرض ہوتے ہی صحتمند حالت میں فوراً حج کی ادائیگی کی فکر کرنی چاہیئے ۔

سفر مکمل کر کے جب آدمی مکہ مکرمہ پہنچتا ہے تو انتہائی تھکاوٹ ہوتی ہے اس کے

ساتھ ہی فوری طور پر بیت اللہ شریف پر پہنچے کا جذبہ وشوق ہوتا ہے۔ چنانچہ ٹھکانے تک پہنچ کر سامان صحیح طور سے سنبھال کر اور اتنا آرام کر کے جس سے کم از کم ہوش وحواس ٹھکانے ہو جائیں کا خیال نہ کرتے ہوئے فوراً حرم شریف پہنچ جاتے ہیں۔ نہ اپنا کارڈ ساتھ لیے ہوئے ہوتے ہیں، نہ معلم کا کارڈ ہوتا ہے اور نہ عمارت کا کارڈ ہوتا ہے۔ اتنے وسیع وعریض علاقے میں جہاں گلیاں ہی گلیاں، سڑکیں ہی سڑکیں اور عمارتیں ہی عمارتیں ہوتی ہیں واپس ہونے پر آدمی کو پتہ چلتا ہے کہ وہ بالکل گمشدہ (Disoriented) ہے۔ کئی لوگوں کو دو دو تین تین دن اس حالت میں گزارنے پڑتے ہیں، پیسے نہ ہونے کی وجہ سے کھانے پینے کا بھی مسئلہ بنا ہوتا ہے اور اشد تکلیف میں مبتلاء ہو جاتے ہیں۔ تذکرہ شدہ کارڈوں کو لے کر دو تین وقت کے کھانے کے پیسے اپنے پاس رکھتے ہوئے علاقے کا پورا اتہ پتہ معلوم کرتے ہوئے اپنے سمجھدار ساتھیوں کے ساتھ جانا آنا ہو تو آدمی مذکورہ بالا تکالیف سے بچ جاتا ہے۔

منیٰ عرفات مزدلفہ میں بھی اپنے معلم کی بس، اپنے ساتھی، اپنا خیموں کا احاطہ ان سب کی سخت پابندی کرنی ہوتی ہے۔ یہاں پر منیٰ وعرفات کے خیموں کے علیحدہ کارڈ ہوتے ہیں جو ہر وقت اپنے ساتھ رکھنے ہوتے ہیں۔ اگر بلا وجہ آدمی ادھر ادھر نکلا تو یہاں پر بھی گم ہو جانے کا انتہائی خطرہ ہوتا ہے۔ نمازیں بھی اپنے خیموں میں جو جماعتیں ہو رہی ہوں وہیں پڑھنی چاہئیں۔ مسجدِ نمرہ اور مسجدِ خیف تک پہنچنے کی کوشش میں انتہائی مشکلات پیش آسکتی ہیں۔

اشد مشکلات منیٰ میں رمی یعنی شیطانوں کو کنکر مارنے اور حجرِ اسود کو بوسہ دینے کے وقت پیش آتی ہیں۔ حجرِ اسود کے بارے میں تو یہ عرض ہے کہ جب رش کے وقت میں

صرف ہاتھوں کا اشارہ کر کے ان کو چوم لینا حجرِ اسود کو بوسہ دینے کا قائم مقام بنایا گیا ہے تو ایسے وقت میں بالکل پریشان نہیں ہونا چاہیئے کہ ہم نے حجرِ اسود کو بوسہ نہیں دیا بلکہ اشارے سے ہی پورا ثواب اور پوری برکات حاصل ہو جاتی ہیں۔

مشکل ترین بات دس ذی الحجہ کی رمی ہے۔اس کے بارے میں ترتیب یہ ہے کہ طلوعِ فجر سے لیکر زوال تک مستحب وقت ہے، زوال سے لیکر مغرب تک جائز وقت ہے اور مغرب سے گیارہ ذی الحجہ کی طلوعِ فجر تک مردوں کے لیے مکروہ وقت ہے، عورتوں کے لیے مکروہ نہیں۔آجکل کے مشکل حالات کی بناء پر مردوں کے لیے بھی مکروہ نہ ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں۔اس کے بارے میں بندہ کے ساتھیوں کا اور خاص طور سے حاجی عبدالمنان صاحب (مقیم مکۃ المکرّمہ وخلیفہ حضرت مولانا محمد اشرفؒ) کا تجربہ یہ ہے کہ اگر مزدلفہ کا وقوف ایسی جگہ کیا جائے کہ جہاں مزدلفہ کی آخری حد ہو اور منیٰ شروع ہو رہا ہو تو صبح کی نماز پڑھ کر تھوڑی دیر مزدلفہ کا وقوف کر کے اگر آدمی چل پڑے تو پیدل ایسے وقت میں بڑے شیطان تک پہنچ جاتا ہے کہ عام لوگ نہیں پہنچے ہوئے ہوتے تو یہ رمی آسانی سے ہو جاتی ہے۔اگر مزدلفہ کے وقوف کے بعد سواری مل جائے تو اور جلدی پہنچا سکتی ہے۔اگر آدمی نو بجے سے پہلے پہلے فارغ ہو کر نکل نہ سکا تو پھر نو تا ساڑھے بارہ انتہائی زیادہ رش ہوتا ہے، پھر بہتر یہ ہے کہ عصر کے بعد یا مغرب کے بعد بلکہ آدھی رات کو یا بعد میں جا کر رمی کرے۔رش کے وقت میں علاوہ تکالیف کے اس بات کا بھی خطرہ ہوتا ہے کہ باوجود کنکریاں مارنے کے وہ صحیح جگہ تک نہ پہنچیں اور رمی ادا ہی نہ ہو۔اس لیے مستحبات کے حصول اور مکروہات سے بچنے سے زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ عمل کم از کم ادا تو ہو جائے۔اگر مستحبات کے حصول میں عمل کی ادائیگی متاثر ہو جائے تو دم واجب

ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔

ایک ضروری بات قابلِ غور یہ ہے کہ حاجی صاحبان نوافل اعمال میں اپنے آپ کو اتنی مشقت میں ڈال دیتے ہیں کہ بیمار پڑ جاتے ہیں نیز غارِ ثور اور غارِ حرا وغیرہ پر چڑھنے میں اتنی مشقت اٹھا لیتے ہیں کہ بیمار پڑ جاتے ہیں اور بیماری کی وجہ سے حج متاثر ہو جاتا ہے اور ان کے ساتھی بہت زیادہ تکلیف میں پڑ جاتے ہیں۔اس لیے مشورہ یہ ہے کہ حج سے پہلے اپنے آپ کو آرام و راحت سے رکھ کر توانائی حج کے لیے محفوظ کرنی چاہئے۔حج مکمل ہونے کے بعد حسبِ توفیق مندرجہ بالا ساری باتیں کرنی چاہئیں۔

عام طور پر حاجی صاحبان جاتے ہی مختلف چیزوں کی خریداری کے لیے بازاروں کا چکر لگانا شروع کر دیتے ہیں۔ان کی مجالس میں عام طور پر چیزوں کے نرخوں کا ہی تذکرہ چلتا رہتا ہے، ذہن اسی فکر میں مبتلاء ہو کر عبادت کے لیے یکسونہیں رہتا۔اس لیے خریداری وغیرہ کو سفر کے آخری دو ایک دنوں میں کرنا چاہئے۔

اس مضمون کو مکمل کرنے کے بعد مختلف حضرات سے پڑھوا کر ان کی رائے لی گئی۔پروفیسر مظفر صاحب جو بندہ کے ساتھیوں کے ساتھ ۱۴۲۴ھ بمطابق ۲۰۰۴ء کے حج میں شامل تھے انھوں نے بہت کارآمد تجویز پیش کی کہ حج پر جانے والے کو اس کی کوشش کرنی چاہئے کہ دیندار اور فکرِ آخرت سے سرشار لوگوں کے ساتھ حج کرے۔نیز انھوں نے کہا کہ علاوہ مناسکِ حج ، ذکر و عبادت اور، تلاوت کے ہماری مجلس میں جو فضائلِ حج (حضرت مولانا زکریاؒ) کی تعلیم ہوتی رہی اور مناسکِ حج کا بار بار مذاکرہ ہوتا رہا اس سے بہت جذبات بنے اور صحیح طریقے سے حج کرنے کی توفیق ہوئی۔ایک مزید بات کی طرف ساتھیوں نے نشاندہی کی ، وہ جدید اور ملحد طبقے کے اعتراضات ہیں جو وہ حج اور

قربانی پر کرتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ حج اور قربانی پر جتنا خرچہ ہوتا ہے وہ بجائے اس کے غرباء میں تقسیم ہونا چاہیے۔ سطحی طور پر ان کو اپنی دلیل میں بڑا وزن نظر آتا ہے اور دین نیز تہذیب وثقافت، عمرانیات اور قوموں کے عروج وزوال کے بارے میں جن لوگوں کو گہری نظر حاصل نہ ہو اور نا تجربہ کار ہوں تو ایسی چیزوں سے بڑے متاثر ہو جاتے ہیں، چنانچہ سعودی عرب کا واقعہ ہے کہ مکہ مکرمہ کے ایک شیخ صاحب کے صاحبزادے مغربی دنیا سے جدید ڈاکٹری کی بڑی ڈگری لے کر آئے، ان کے والد صاحب نے پوچھا کہ وہ اپنے جدید علم کی روشنی میں ملک وقوم کی خدمت کس طریقے سے کریں گے انھوں نے جواب میں کہا کہ حج کے موقع پر ساری دنیا کے لوگ اپنی بیماریاں اور جراثیم لے کر یہاں آجاتے ہیں، سعودی عرب کی صحت کی حالت تو تب درست ہوگی جب کہ حج بند کر دیا جائے۔

ان بھلے لوگوں سے پوچھا جائے کہ کیا اخراجات اور اجتماعات کی صرف یہی دو صورتیں ہیں جن سے قوم کو مال اور صحت کا (خدانخواستہ) نقصان ہوتا ہے؟ ہرگز نہیں کئی جگہیں ایسی ہیں کہ جن پر اتنا بے دریغ خرچ ہوتا ہے اور اتنی زیادہ جانی مشقت ہوتی ہے کہ حج اور قربانی کے اخراجات اور مشقتیں ان کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔ چنانچہ سیاسی لوگوں کا گرمی سردی سے بے نیاز ہو کر عوام کے جمِ غفیر کو جلسوں میں جمع کرنا، گھنٹوں گھنٹوں کھڑے انھیں اوٹ پٹانگ تقریریں سنانا، ہلڑ بازی اور نعرے بازی سے گلے پھاڑنا اور جو بیوقوف دیہاتی صرف بسوں کا لطف اٹھانے کے لیے آئے ہوں ان کا بھوک پیاس کا شکار ہو کر بیمار پڑ جانا کیا کچھ کم مشقت ہے؟ چودہ اگست کی لڑکپنے کی شرارتوں میں ایک ٹائر پر موٹر سائیکل چلاتے ہوئے کئی نوجوانوں کا موت سے ہمکنار

ہو جانا۔ بسنت کی پتنگ بازی کی تیز ڈوری سے حلق کٹ کر اور مکانوں کی چھتوں سے گر کر اور چوراہوں میں گاڑیوں کے نیچے آ کر شہیدِ بسنت ہو جانا کیا کوئی کم مشقت ہے۔ کیا کسی نے سوچا کہ ان چیزوں پر جو اربوں روپے کے اخراجات اٹھ رہے ہیں وہ کسی غریب مسکین کا چولہا جلنے کے لیے دے دیے جاتے تو کیا ہی اچھا ہوتا۔ اس سے آگے بڑھیں نام نہاد سیاسی طبقہ جو سیاست اور حصولِ حکومت کو بطور پیشہ اختیار کیے ہوئے ہے اور ملکی وسائل کی لوٹ مار کر کے اس کو دشمنوں کے بینکوں میں پہنچا کر کفار کو مسلمانوں پر بمباری کے لیے چندہ فراہم کر رہے ہیں کیا کبھی اس پیسے کو بھی غریب لوگوں کو دینے کے بارے میں سوچا گیا؟

اب قربانی کے عمل کو لیجیے، اس کے لیے سارا سال دیہاتی علاقوں میں کسان اور زمیندار مویشی پالتے ہیں کیونکہ عیدقربان کے موقع پر انھیں اچھی قیمت ملنے کی امید ہوتی ہے۔ معیشت کے مشہور اصول طلب و رسد (demand and supply) کی وجہ سے ہی گلہ بانی کا پیشہ ترقی کرتا ہے اور روزی محنت کے اصول کے تحت شہروں سے دیہات کو منتقل ہوتی ہے جس کے نتیجے میں دیہات والوں کو بھی روٹی کا لقمہ نصیب ہوتا ہے۔ اگر یہ کشش نہ رہے تو یہ پیشہ حوصلہ شکنی کی وجہ سے ختم ہو جائے گا اور گوشت کے لیے بھی یہودیوں کی کمپنیوں کا مال امپورٹ کر کے کروڑوں روپے کا زرِ مبادلہ خراب کرنا پڑے گا۔ بقرعید کے دن کئی غرباء بصورت قصاب مسجدوں اور عیدگاہوں کے آگے منتظر ہوتے ہیں اور قربانی کا عمل ان کی روزی کا ذریعہ بنتا ہے۔ قربانی کی کھالیں کئی خیراتی اداروں کے چلنے کا ذریعہ ہیں۔ بقرعید کے دن ہی وہ دن ہوتے ہیں جب غرباء اور مساکین پیٹ بھر کر مفت گوشت کھاتے ہیں اور فریج اور ڈیپ

فریز والوں کو مہینوں صحت مند معیاری اور صحیح طریقے سے ذبح کیے ہوئے جانوروں کا گوشت ملتا ہے۔ ہائے افسوس کہ بیوقوف نام نہاد دانشوروں کی نگاہ ان معاشی اور معاشرتی فوائد کی طرف نہیں جاتی۔ یہ دراصل یہود و نصاریٰ کا چلایا ہوا پراپیگنڈہ ہے جسے سادہ لوح مسلمان ان کے معصوم نمائندہ (innocent agent) کی طرح آگے چلا رہا ہے اور بڑھا رہا ہے۔

قربانی کے نظریاتی فوائد کی طرف آئیں تو جس دن سے جانور خریدا جاتا ہے اسی دن سے گھر، حجرہ، مسجد، گلی کوچہ، چوپال سب جگہوں پر ایک کلاس شروع ہو جاتی ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچے امی ابو سے اور دادا جان سے سوالات شروع کر دیتے ہیں کہ قربانی کیا ہے؟ ہم جانور کیوں ذبح کرتے ہیں؟ ابراھیم علیہ السلام کون تھے اسماعیل علیہ السلام کون تھے؟ اللہ تعالیٰ کے امر اور باپ کی اطاعت میں انھوں نے کیوں اپنے آپ کو ذبح کے لیے پیش کیا؟ تو اس طریقے سے قربانی کا وہ جذبہ جو قوموں کی تشکیل اور بڑھوتری کا ذریعہ بنتا ہے پورے معاشرے میں اس کا چرچا ہو جاتا ہے، جس کے نتیجے میں قربانی کا عظیم مقصد اور اطاعتِ والدین کا سنہری اصول سامنے آتا ہے۔ سمجھدار اور زندہ قومیں عظیم تر مقاصد کے جذبات کو زندہ کرنے کے لیے مالی قربانیاں دیا کرتی ہیں کیونکہ مال کی ان جذبات کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔

ایک بڑا اعتراض منیٰ کی قربانیوں پر ہوتا تھا کہ ان کا گوشت ضائع ہو جاتا ہے، اس کے لیے سعودی حکومت نے مناسب منصوبہ بندی کر کے اس گوشت کو محفوظ کر کے کئی غریب ممالک افغان مہاجرین اور دوسرے فاقہ زدہ لوگوں تک پہنچایا۔ چنانچہ اس طریقہ سے ایک صحت مند سوچ، مناسب محنت اور ایک دینی عمل کے نتیجے میں خیر خیرات کی

شکل میں قربانی کے وسائل تقسیم ہوئے جبکہ اس کے مقابلے میں نام نہاد دانشور بغیر محنت کے بھیک کی شکل میں اسے تقسیم کرنا چاہتے ہیں اور معاشرے میں بھیک مانگنے والوں کی تعداد میں اضافہ کرنا چاہتے ہیں۔

حج کے اخراجات کو لیجئے احرام خریدنے سے لیکر مقامی گاڑیوں اور رکشوں کے کرایوں کو شمار کرتے ہوئے پی۔آئی۔اے (پاکستانی ہوائی جہازرانی کی کمپنی) کے ٹکٹوں کو مدنظر رکھتے ہوئے حاجی کا پیسہ صحتمند معاشی محنت کے تحت پاکستان میں تقسیم ہوتا ہے۔سعودی عرب ائر لائن اور پاکستان انٹرنیشنل ائر لائن کو حج فلائٹیں اتنا کندھا (support) دیتی ہیں کہ ان کے سارے سال کے خسارے پورے ہو جاتے ہیں اور اس طریقے سے یہ دو ائر لائنیں سارا سال کارکردگی کر کے فوائد دینے کے لیے کارآمد رہتی ہیں۔سعودی عرب پہنچ کر حج کے معلّموں کی فیس، بازاروں میں کھانا پینا، دوسری ضروریات کو پورا کرنا، واپس آتے ہوئے وہاں کے بازاروں کی سستی چیزیں اپنے لیے خریدنا ایک منظّم تجارتی عمل کو زندہ کیے ہوئے ہے جس کا فائدہ پوری دنیائے اسلام کے افراد مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی منڈیوں سے اٹھا رہے ہیں۔

حج کا اجتماع عبادت، توبہ، گناہوں کی معافی، اپنے پیدا کرنے والی ذاتِ ذوالجلال کا قرب اور اس کے نتیجے میں زندگیاں بدل کر اصلاح ہو جانا اور حج کے بعد کئی حضرات کا ایک نئی صلاح وفلاح والی زندگی پر آ کر اپنے لیے، دنیائے اسلام کے لیے بلکہ عالمِ انسانیت کے لیے خیر اور رحمت کا ذریعہ بن جانا اتنا بڑا کارنامہ (achievement) ہے جس پر ہزاروں لاکھوں روپے قربان ہو جانا بہت تھوڑا ہے۔

بندہ کو نفسیاتی بیماروں(Psychatric patient) کی رہنمائی (counsiling) کے سلسلے میں اس بات کا تجربہ ہوا کہ جن لوگوں کی بیماری احساسِ گناہ(sense of guilt) کی وجہ سے تھی جب ان سے توبہ کرائی گئی اور انھیں حوصلہ(reassurance) دلایا گیا اور اللہ تعالیٰ کی معافی اور رحمت کا تذکرہ کیا گیا تو یہ مریض ایسے عجیب انداز میں صحت یاب ہوئے کہ ان کے معالجین (psychatrists) حیران رہ گئے ۔ایک ماہر معالج نے بندہ سے کہا کہ'' ڈاکٹر صاحب ایسا کوئی دن مقرر کریں جس میں بہت سارے لوگوں کو جمع کر کے اور آپ کے مخصوص طریقے پر توبہ تائب کرائیں ،اس کی وجہ سے کئی نفسیاتی بیماروں کا مسئلہ حل ہوسکتا ہے ۔'' بفضلہٖ تعالیٰ حج کی صورت میں امتِ مسلمہ کو یہ بات تھوڑا سا خرچ کرنے کے بعد حاصل ہو جاتی ہے۔

یہ عام لوگوں کا تجربہ ہے اور جن کا تجربہ نہیں ہے وہ حج اور عمرہ کے دوران اس بات پر خاص طور سے دھیان دیں کہ طواف سعی ، قیامِ منیٰ و، وقوفِ عرفات ساری جگہوں پر ایسا آدمی کم ملے گا جس کے چہرے پر پریشانی اور اضطراب کے حالات ہوں ۔ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کے قرب ،مقدس مقامات کی برکات ،عبادت کے ذوق و شوق اور خدمتِ خلق کے مزوں سے لطف اندوز ہورہی ہوتی ہے ۔ان سب چیزوں کے علاوہ سیر وتفریح تو بغیر نیت کیے مفت میں حاصل ہوتی ہے۔

یہ اجتماع ہر سال مسلمانوں کی قوت وشوکت ،یکجہتی اور دبدبہ کا مظہر ہوتا ہے اور سارا سال کفار کی امت کو ٹکڑے ٹکرے کرنے کی کوششوں پر پانی پھیر دیتا ہے ۔کیا اتنے فوائد حاصل کرنے کے لیے تھوڑا سا مال نہیں خرچ کرنا چاہیئے ؟

اب آیئے اس سعودی شیخ کے بیٹے کی رائے کی طرف کہ مسلمان ساری دنیا کے جراثیم یہاں لاکرڈال دیتے ہیں جس کے نتیجے میں بیماریاں پھیلتی ہیں۔ اگر اس نتھو خیرے نے اپنی میڈیکل سائنس کو ہی گہری نظر سے پڑھا ہوتا تو اس کو پتہ چلتا کہ جب انسان ایک گروہ کی شکل میں باہم اکٹھے ہوتے ہیں، ایک دوسرے کا جھوٹا استعمال کرتے ہیں، ان کا سانس ایک دوسرے پر لگتا ہے تو اس کے نتیجے میں تھوڑے بیماری کے اثرات سب پر آتے ہیں۔ ان اثرات سے وہ مکمل بیمار تو نہیں ہوتے لیکن ان کے اندر ان بیماریوں کے خلاف قوتِ مدافعت پیدا ہو جاتی ہے جسے حفاظتی طب (Preventive medicine) کے شعبہ والے گروہی مدافعت (herd immunity) کہتے ہیں۔ بفضلہٖ تعالیٰ گروہی مدافعت امتِ مسلمہ میں اہلِ کفر کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ کوئی بھی ماہرِ تحقیق (research worker) تحقیق کر کے اور عالمی اعداد وشمار جمع کر کے اس بات کو ثابت کرسکتا ہے۔

آخر میں ایک ضروری امر کی طرف توجہ دلانی ہے وہ یہ ہے کہ آدمی ہزاروں لاکھوں روپے خرچ کر کے حج وعمرہ کی سعادت حاصل کرتا ہے۔ احرام سے نکلنے کے لیے سر منڈانا ضروری ہوتا ہے جس کے بعد آدمی احرام سے نکلتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ سر پر بال رکھے لیکن حج اور عمرہ کے موقع پر آپؐ نے بھی حلق (سر منڈانا) کیا ہے۔ آیت میں بھی سر منڈانے کو پہلے کہا گیا ہے اور بال کتروانے کا دوسرے نمبر پر کہا گیا ہے، بہرحال کوئی عذر اور تکلیف ہو تو حلق کے بجائے قصر (بال کتروانا) بھی ہوسکتا ہے، لیکن اس میں ضروری ہے کہ پورے سر سے انگلی کے ایک پورے یعنی تقریباً ایک انچ بال کتروائے جائیں۔ وہاں کے ماحول میں ساری دنیا کے لوگ جمع ہوتے ہیں، ہر فقہ کے

لوگ ہوتے ہیں، کچھ لوگ تو نئے نظریات لے کر فقہائے عظام سے آزاد ہی ہو گئے ہیں چنانچہ قینچی سے سر کے چند بال کاٹ کر آدمی کو احرام سے فارغ کر دیتے ہیں حالانکہ اس طرح وہ احرام سے فارغ نہیں ہوتا بلکہ اس وجہ سے اس پر ایک بکرا ذبح کرنے کا جرمانہ (دم) واجب ہو جاتا ہے۔ کئی لوگ محض فیشن کے طور پر اپنے بالوں کو بچانے کے لیے اس طرح کی حرکتیں کر لیتے ہیں اور اتنی بڑی خیر اور کارنامے کو فیشن کے بھینٹ چڑھا دیتے ہیں جس کی وجہ سے حج و عمرہ ناقص ہو جاتے ہیں۔ دراصل حج اور عمرہ میں جہاں جان، مال اور وقت کی قربانی ہے وہاں جذبات کی بھی قربانی ہے اور سب سے بڑا جذبہ جسے قربان کرنا ہے فیشن ہے، اس جذبہ کو قربان کرنے کے بغیر حج مکمل نہیں ہوتا۔

☆☆☆☆☆☆☆

تفسیرِ مظہری سے معارف القرآن میں نقل کیا گیا ہے کہ جملہ **الدعاء ھو العبادۃ** میں بقاعدہ عربیت **قصر المسند الیہ علی المسند** یہ مفہوم بھی ہوسکتا ہے کہ دعا عبدت ہی کا نام ہے یعنی دعا عبادت ہی ہے۔ اور قصر المسند الیہ علی المسند کے طور پر یہ بھی مفہوم ہوسکتا ہے کہ ہر عبادت ہی دعا ہے۔ یہاں دونوں احتمال ہیں اور مراد یہاں یہ ہے کہ دعا اور عبادت اگر چہ لفظی مفہوم کے اعتبار سے جدا جدا ہیں مگر مصداق کے اعتبار سے دونوں متحد ہیں کہ ہر دعا عبادت ہے اور ہر عبادت دعا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ عبادت نام

ہے کسی کے سامنے تذلّل اختیار کرنے کا اور ظاہر ہے کہ اپنے آپ کو کسی کا محتاج سمجھ کر اس کے سامنے ہاتھ پھیلانا بڑا تذلّل ہے جو مفہومِ عبادت ہے۔ اسی طرح ہر عبادت کا حاصل بھی اللہ تعالیٰ سے مغفرت، جنت اور دنیا و آخرت کی عافیت مانگنا ہے اس لیے حدیث قدسی میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص میری حمد و ثناء میں اتنا مشغول ہو جائے کہ اپنی حاجت مانگنے کی فرصت اس کو نہ مل سکے تو میں اس کو مانگنے والوں سے زیادہ عطا کرتا ہوں (یعنی اس کی حاجت پوری کروں گا۔ رواہ الجزری فی النھایہ) اور ترمذی اور مسلم کی روایت میں ہے کہ **من شغلہ القرآن عن ذکری و مسئلتہ اعطیتہ افضل ما اعطی السائلین** (ترمذی و مسلم) یعنی جو شخص تلاوتِ قرآن میں اتنا مشغول ہو کہ اس کو مجھ سے اپنی حاجت مانگنے کی فرصت نہ مل سکے تو میں اس کو اتنا دیتا ہوں کہ مانگنے والے کو بھی اتنا نہیں دیتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر عبادت وہی فائدہ دیتی ہے جو دعا کا فائدہ ہے ۔ اور مرقاۃ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عرفات میں میری دعا اور مجھ سے پہلے جو انبیاء گزرے ہیں ان کی دعا یہ کلمہ ہے **لا الہ الا اللّٰہ وحدہٗ لا شریک لہ لہ الملک و لہ الحمد وھو علیٰ کل شیئٍ قدیر** (معارف القرآن ۶۱۱ ج ۷)

اس حدیث مبارک میں عبادت اور ذکر اللہ کو دعا فرمایا ہے اور عبادت بمعنی دعا کے ترک کرنے والوں کو جو جہنم کی وعید سنائی گئی ہے وہ بصورتِ استکبار ہے، یعنی جو شخص بطور استکبار کے اپنے آپ کو دعا سے مستغنی سمجھ کر دعا چھوڑ دے تو یہ کفر کی علامت ہے ، اس لیے یہ شخص جہنم کی وعید کا مستحق ہو گیا۔ ورنہ فی نفسہٖ دعا فرض یا واجب نہیں اور اس کو ترک کرنا کوئی گناہ نہیں ۔ البتہ اجماعِ امت کی وجہ سے مستحب اور افضل ہے اور حسبِ

تصریح احادیث موجب برکات ہے۔ انتھیٰ (معارف القرآن)

و لِلّٰہ الاسماء الحسنیٰ فادعوہُ بھا وزروا الذین یلحدون فی اسمائہ (اور اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں سب اچھے نام سو اس کو پکارو وہی نام لے کر اور چھوڑ دو ان کو جو کج راہ پر چلتے ہیں اس کے ناموں سے) اس آیت مبارک سے دعا ثابت ہے۔

قل امر ربی بالقسط واقیموا وجوھکم عند کل مسجد وادعوہ مخلصین لہ الدین (الاعراف)

تو کہہ دے کہ میرے رب نے حکم دیا ہے انصاف کا اور سیدھے کرو اپنے منہ ہر نماز کے وقت اور پکارو اس کو خالص اس کے فرمانبردار ہو کر۔

قل ادعو اللّٰہ او دعو الرحمن ایا ما تدعو فلہ الاسماء الحسنیٰ ولا تجھر بصلاتک ولا تخافت بھا وابتغ بین ذالک سبیلا (المؤمن:۱۴)

کہہ دو اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر، جو کہہ کر پکارو گے سو اسی کے ہیں سب نام خاصے۔ اور پکار کر مت پڑھ اپنی نماز اور نہ چپکے پڑھ اور ڈھونڈ لے اس کے بیچ میں راہ۔

یعنی جہری نماز میں اور دعا میں بہت زیادہ چلانا بھی نہیں اور بالکل دبی آواز بھی نہیں، بیچ کی چال پسندیدہ ہے۔ (موضح القرآن)

فادعو اللّٰہ مخلصین لہ الدین و لو کرہ الکفرون

سو پکارو اللہ کو خالص اس کی بندگی کو، اگرچہ برا مانیں منکر۔

یعنی بندوں کو چاہئے کہ سمجھ سے کام لیں اور ایک خدا کی طرف رجوع کر کے اسی کو پکاریں، اس کی بندگی میں کسی کو شریک نہ کریں۔

اما اثبات السوال عن اللّٰہ تعالیٰ

اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا۔

یسئلہ من فی السموات والارض کل یوم ھو فی شأن (سورہ رحمٰن)

اس سے مانگتے ہیں جو کوئی ہے آسمانوں میں اور زمینوں میں، ہر روز اس کا ایک کام ہے۔

والذین یقولون ربنا ھب لنا من ازواجنا و ذریاتنا قرۃ اعین. (الفرقان)

اور (عباد الرحمٰن) وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں اے رب! دے ہم کو ہماری عورتوں کی طرف سے اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک۔

واما الاثبات الاستعانۃ من اللہ تعالیٰ

اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنا

ایاک نعبد وایاک نستعین (خاص تیرے لیے عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ وقال موسیٰ لقومہ استعینوا باللّٰہ واصبروا ان الارض للّٰہ یورثھا من یشاء للمتقین (الاعراف) موسیٰ علیہ السلام نے کہا اپنی قوم سے مدد مانگو اللہ سے اور صبر کرو بیشک زمین ہے اللہ کی، اس کا وارث کر دے جس کو چاہے

اپنے بندوں میں، اور آخر میں بھلائی ڈرنے والوں کے لیے ہے۔

یعنی گھبرانے کی کوئی بات نہیں، اللہ کے سامنے کسی کا زور نہیں چلتا، ملک اس کا ہے جس کو مناسب جانے عطا فرمائے۔ لہٰذا ظالم کے مقابلے میں اسی سے مدد مانگو، اسی پر نظر رکھو، اسی سے ڈرو۔ صبر اور تقویٰ کی راہ اختیار کرو اور یقین رکھو کہ آخری کامیابی صرف متقین کے لیے ہے۔ (تفسیر عثمانی)

واللّٰہ المستعان علیٰ ما تصفون (سورہ یوسف) اور اللہ ہی سے مدد مانگتا ہوں اس بات پر جو تم ظاہر کرتے ہو۔

قال رب احکم بالحق وربنا الرحمن المستعان علیٰ ما تصفون (الانبیاء)

رسول نے کہا اے رب فیصلہ کر انصاف کا، اور رب ہمارا رحمٰن ہے اسی سے مدد مانگتے ہیں ان باتوں پر جو تم بناتے ہو۔

یایھا الّذین اٰمنو استعینو بالصبر والصلوۃ ان اللّٰہ مع الصبرین (بقرہ)

اے مسلمانو! مدد لو اللہ سے صبر اور نماز کے (ذریعہ) سے، بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

چونکہ ذکر اور شکر اور ترکِ کفران جو پہلے مذکور ہوئے تمام طاعات اور منہیاتِ شرعیہ کو محیط ہیں جن کا انجام دینا دشوار امر ہے، اس کی سہولت کے لیے یہ طریقہ بتلایا کہ صبر اور صلوٰۃ سے مدد حاصل کرو کہ ان کی مداومت سے تمام امور تم پر سہل ہو جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرات انبیاء کرام نے ہر مصیبت میں اور ہر حالت میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی ہے،

کماقال اللّٰہ تعالیٰ فی شان نوح علیہ السلام:

فدعا ربه انی مغلوب فانتصر (سورہ القمر) پھر پکارا اپنے رب کو کہ میں عاجز ہوگیا ہوں تو بدلہ لے۔

و فی شان ابراھیم علیہ السلام :

واعتزلکم وما تدعون من دون اللّٰہ وادعوا ربی عسیٰ ان لا اکون بدعاء ربی شقیا۔

اور چھوڑتا ہوں تم کو اور جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوا، اور میں بندگی کروں گا اپنے رب کی، امید ہے کہ نہ رہوں گا اپنے رب کی بندگی کر کے محروم۔

و فی شان موسیٰ علیہ اسلام :

فدعا ربه ان ھؤلاء قوم مجرمون.

پھر دعا کی اپنے رب سے کہ یہ لوگ گناہگار ہیں۔

و فی شان زکریا علیہ السلام:

ھنالک دعا زکریا ربه

وہیں دعا کی زکریاؑ نے اپنے رب سے کہا اے میرے رب! عطا کر مجھ کو اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد بیشک تو سننے والا ہے دعا کا۔

و فی شان یونس علیہ السلام:

فنادیٰ فی الظلمت ان لا اله الا انت سبحنک انی کنت من

الظلمین۔

پھر پکارا یونس نے ان اندھیروں میں کہ کوئی حاکم نہیں سوائے تیرے، تو بے عیب ہے، میں تھا گنہگاروں سے۔

فاستجبنا له ونجینه من الغم وکذالک ننجی المؤمنین

پھر سن لی ہم نے اس کی فریاد اور بچا دیا اس کو گھٹن سے اور یوں ہی ہم بچا دیتے ہیں ایمان والوں کو۔

یعنی حضرت یونسؑ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ جو ایماندار لوگ ہم کو اسی طرح پکاریں گے ہم ان کو بلاؤں سے نجات دیں گے۔ احادیث میں اس دعا کی بہت فضیلت آئی ہے۔ امت نے شدائد ونوائب میں اس کو مجرب پایا ہے۔

قال النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم دعوة ذی النون اذ دعا وهو فی بطن الحوت لا اله الا انت سبحنک انی کنت من الظلمین فانه لم یدع بها رجل مسلم فی شیٔ قط الا ستجاب اللّٰه له (روہ الترمذی والنسائی والحاکم عن سعد بن ابی وقاصؓ)

وفی شان سلیمان علیه اسلام:

قال رب اغفرلی وهب لی ملکا لا ینبغی لا حد من بعدی انک انت الوهاب (ص)

بولا اے میرے رب معاف کر مجھ کو اور بخش مجھ کو وہ بادشاہی جو کہ مناسب نہ ہو کسی کے لیے میرے بعد، بیشک تو ہے سب کچھ بخشنے والا۔

و فی شان ایوب علیہ السلام:

واذکر عبدنا ایوب اذ نادیٰ ربه انی مسنی الشیطن بنصب وعذاب.

اور یاد کر ہمارے بندے ایوبؑ کو جب اس نے پکارا اپنے رب کو کہ مجھ کو لگا دی شیطان نے ایذا اور تکلیف۔

و فی شان محمد صلی اللہ علیہ وسلم:

قل انما ادعو اربی لا اشرک به (ص)

تو کہہ میں تو پکارتا ہوں بس اپنے رب کو اور شریک نہیں کرتا ہوں اس کا کسی کو۔

و فی شان جمیع الانبیاء علیہ السلام:

انهم کانو یسارعون فی الخیرات و یدعوننا رغبا و رهبا و کانوا لنا خاشعین.

اور بیشک یہ حضرات تیزی سے آگے بڑھتے تھے نیک کاموں میں اور ہم کو پکارتے تھے رغبت کرتے ہوئے اور خوف کھاتے ہوئے اور ہمارے لیے عاجزی ظاہر کرنے والے تھے۔

و فی شان عباد الصالحین:

تمام عباد الصالحین نے اللہ ہی کو پکارا۔ تتجافیٰ جنوبهم عن المضاجع یدعون ربهم خوفا و طمعا (السجدہ) اور ان کے پہلو جدا ہوتے ہیں خوابگاہوں سے اس طور پر کہ وہ اپنے رب کو پکارتے ہیں ڈرتے ہوئے اور امید باندھے ہوئے۔

ولا تطرد الذین یدعون ربهم بالغداة والعشی یریدون وجهه

(الانعام)

اورمت دور کرو ان لوگوں کو جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام اور چاہتے ہیں اس کی رضا۔

یعنی رات دن اس کی عبادت میں حسنِ نیت سے اور اخلاص کے ساتھ مشغول رہتے ہیں۔

ان ساری آیتوں سے یہ بات صریحاً ثابت ہے کہ دعا عبودیت کا اعلیٰ مقام ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بار بار امر کیا ہے اور اپنے خاص بندوں کا تذکرہ کیا ہے کہ دعا ان لوگوں کا شعار ہے۔ دعا میں ذلت اور عاجزی تمام عبادات سے زیادہ ہے ۔اس لیے جو بندہ جتنا اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے ذلیل کر کے پیش کرے اللہ تعالیٰ اس کو اپنے فضل سے اپنی معرفت نصیب فرماتے ہیں اور حلاوتِ ایمان کا مزہ چکھاتے ہیں۔

تمام انبیاء علیھم السلام اور عباد الصالحین جو معرفتِ الٰہی کے سب اعلیٰ درجے پر قائم ہیں دعا یعنی اللہ تعالیٰ سے مانگنا ان کا شعار ہے۔صحیفہ فطرت نے بھٹکے ہوئے انسان کی ھدایت کے لیے ان انبیاء و صالحین کے واقعات کو ذکر کیا ہے۔اللہ تعالیٰ ہم کو بھی ان کا اتباع نصیب فرمائے۔آمین ثم آمین۔